علامہ اقبال مرحوم

فلسفۂ ختمِ نبوّت

[○] اس سے پہلے کہ ہم اپنی بحث میں آگے بڑھیں ضروری ہے کہ اسلام کے ایک نہایت ہی اہم اور بنیادی تصور ——— میرا مطلب ہے عقیدۂ ختمِ نبوت (مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ[1] (۴۰،۳۳) مترجم) کی ثقافتی قدر و قیمت پورے طور پر ذہن نشین کر لی جائے۔

ایک اعتبار سے نبوت کی تعریف یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ یہ شعورِ ولایت کی وہ شکل ہے جس میں وارداتِ اتحاد اپنے حدود سے تجاوز کر جائیں اور اُن قوتوں کی پھر سے رہنمائی یا از سرِ نو تشکیل کے وسائل ڈھونڈتی ہیں جو حیاتِ اجتماعیہ کی صورت گر ہیں۔ گویا انبیاء کی ذات میں زندگی کا متناہی مرکز (انسانی خودی۔ مترجم) اپنے لامتناہی اعماق میں ڈوب جاتا ہے (اپنے مبدار وجود سے اتصال کی بدولت۔ مترجم) تو اس لیے کہ پھر ایک تازہ قوت اور زور سے اُبھر سکے وہ ماضی (یعنی انسان جس راستے پر چل رہا تھا۔ مترجم) کو مٹاتا اور پھر زندگی کی نئی نئی راہیں اس پر منکشف کر دیتا ہے۔ (تاکہ ایک نئی ہیئتِ اجتماعیہ کی تعمیر ہو سکے مترجم) لیکن اپنی ہستی اور وجود کی اساس سے انسان کا یہ تعلق کچھ اُسی کے لیے مخصوص نہیں۔ قرآن مجید نے لفظِ وحی کا استعمال جن معنوں میں کیا ہے، اُن سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ وحی خاصۂ حیات ہے اور ایسا ہی عام جیسے زندگی۔ یہ دوسری بات ہے کہ جوں جوں اس کا گزر مختلف مراحل سے ہوتا یا یوں کہیے کہ جیسے جیسے وہ ارتقاء اور نشو و نما حاصل کرتی ہے ویسے ہی اس کی ماہیّت اور نوعیّت بھی بدلتی رہتی ہے۔ یہ کسی پودے کا زمین کی پہنائیوں میں آزادانہ سر نکالنا، یہ کسی حیوان میں ایک نئے ماحول کے مطابق کسی نئے عضو کا نشو و نما، یہ انسان کا خود اپنی ذات اور وجود میں زندگی کی گہرائیوں سے نور اور

○ یہ مضمون "تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ" سے اخذ کیا گیا ہے، جو حضرت علامہؒ کے اُن مایہ ناز انگریزی خطبات کا اُردو ترجمہ ہے، جو انہوں نے "مدراس مسلم ایسوسی ایشن" کی دعوت پر ۲۹-۱۹۲۸ء میں مدراس، حیدر آباد اور علیگڑھ میں ارشاد فرمائے۔ یہ خطبات فلسفیانہ رنگ میں اپنے موضوع پر ایک اچھوتی تخلیق ہیں۔

[1] (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں (الاحزاب آیت ۴۰)

روشنی حاصل کرنا، یہ سب وحی کی مختلف شکلیں ہیں۔ جو اس لیئے بدلتی چلی گئیں کہ اس کا تعلق جس فرد سے تھا یا جس نوع میں اِس کا شمار ہوتا تھا اس کی مخصوص ضروریات کچھ اور تھیں۔ اب بنی نوعِ انسان کے عالمِ صغر سنی میں ایسا بھی ہوا کہ اس کی نفسی توانائی کا نشو و نما (جس کا اظہار غور و فکر، ارادہ و اختیار، ادراک و تعقل، حکم، تصدیق یعنی اعمالِ ذہنی میں ہوتا ہے۔ مترجم) شعور کی وہ صورت اختیار کر لے جسے ہم نے شعورِ نبوت سے تعبیر کیا ہے اور جس کے معنی یہ ہیں کہ اس شعور کی موجودگی میں نہ تو افراد کو خود کسی چیز پر حکم لگانا پڑے گا، نہ اُن کے سامنے یہ سوال ہوگا کہ اُن کی پسند کیا ہو اور ناپسندیدگی کیا؟ اُنہیں یہ بھی سوچنے کی ضرورت نہیں ہوگی کہ وہ اپنے لیئے کیا راہِ عمل اختیار کریں؟ یہ سب باتیں گویا پہلے ہی سے طے شدہ ہوں گی، یہ نہیں کہ اُنہیں اس بارے میں خود اپنے فکر اور انتخاب سے کام لینا پڑے (معروف و منکر، امر اور نہی، کی تعیین میں لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ[1]: شعورِ نبوت کو گویا کفایتِ فکر اور انتخاب سے تعبیر کرنا چاہیئے (کیونکہ اس طرح ہمیں فرداً فرداً ان اُمور کا فیصلہ نہیں کرنا پڑتا صرف ایک فرد کا حکم اور انتخاب ہماری رہنمائی کے لیئے کافی ہوتا ہے مترجم) لیکن جہاں عقل نے آنکھ کھولی (تاکہ ذہنِ انسانی کو خود اپنی بصیرت، فہم اور تدبر سے کام لینے کا موقع ملے، یہ امر بھی منجملہ اُن مقاصد کے ہے جو نبوت کے پیشِ نظر ہوتے ہیں۔ مترجم) اور قوتِ تنقید بیدار ہوئی تو پھر زندگی کا مفاد اسی میں ہے کہ ارتقائے انسانی کے اوّلین مراحل میں ہماری نفسی توانائی کا اظہار جن ماورائے عقل طریقوں سے ہوا تھا اُن کا ظہور اور نشو و نما رُک جائے۔ انسان جذبات کا بندہ ہے اور جبلتوں سے مغلوب رہتا ہے (جن کو اگر ٹھیک راستے پر نہ ڈالا جائے تو ایک دوسرے سے رقابت اور فسادِ اخلاق کو تحریک ہوتی ہے۔ جس کا انجام ہے ہلاکت۔ مترجم) وہ اپنے ماحول کی تسخیر کر سکتا ہے تو عقلِ استقرائی کی بدولت (جس میں وہ اصولِ علم کی بنا پر عالمِ خارجی کا مطالعہ کرتا ہے۔ مترجم) لیکن عقلِ استقرائی اس

---

[1] ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر اور اُتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں (سورۃ الحدید آیت ۲۵)

کے اپنے حاصل کرنے کی چیز ہے۔ (تجربے اور امتحان، مشاہدے اور تحقیق و تجسس کی حدود سے مترجم) جسے ایک دفعہ حاصل کر لیا جائے تو پھر مصلحت اسی میں ہے کہ حصولِ علم کے اور جتنے بھی طریق ہیں اُن پر ہر پہلو سے بندشیں عائد کر دی جائیں تاکہ مستحکم کیا جائے تو صرف عقلِ استقرائی کو (عالمِ فطرت کی تسخیر اور زندگی کو واقعیت کی نظر سے دیکھنے کی خاطر۔ مترجم) اس میں کوئی شک نہیں کہ دُنیائے قدیم نے بڑے بڑے عظیم نظاماتِ فلسفہ پیدا کئے (تعلیماتِ نبوت سے باہر محض حکیمانہ غور و فکر کی بدولت مثلاً ارضِ یونان یا قدیم ہندوستان میں۔ مترجم) مگر یہ اُس وقت جب انسان اپنی زندگی کے ابتدائی مراحل سے گزر رہا اور اس پر ایما اور اشارے کا غلبہ تھا۔ (یعنی وُہ اپنی عقل اور سمجھ کی بجائے وہی کچھ کرنے لگتا تھا جو دوسرے کرتے تھے۔ مترجم) لہٰذا ماضی کے یہ فلسفیانہ نظامات مجرّد فکر کی بنا پر مرتب ہوئے، لیکن مجرّد فکر کی بنا پر ہم زیادہ سے زیادہ کچھ کر سکتے ہیں تو یہ کہ مذہبی عقائد اور مذہبی روایات میں تھوڑا بہت ربط و ترتیب پیدا کر دیں۔ رہا یہ امر کہ عملی زندگی میں ہمیں جن احوال سے فی الواقع گزر کرنا پڑتا ہے۔ اُن پر قابو حاصل کیا جائے تو کیسے؟ اس کا فیصلہ فکرِ مجرّد کی بنا پر نہیں کیا جا سکتا۔ (اور یہی فی الحقیقت مسئلہ ہے زندگی کا خواہ اس میں کوئی بھی راستہ اختیار کیا جائے۔ مترجم) اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یوں نظر آئے گا جیسے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی حیثیت دُنیائے قدیم اور جدید کے درمیان ایک واسطہ کی ہے (جس کا ظہور آپ کی تعلیمات کی بدولت ہوا۔ مترجم) بہ اعتبار اپنے سرچشمۂ وحی کے آپ کا تعلق دُنیائے قدیم سے ہے (جس کی آپ نے رہنمائی کی۔ مترجم) لیکن بہ اعتبار اس کی رُوح کے دُنیائے جدید سے۔ یہ آپ ہی کا وجود ہے کہ زندگی پر علم و حکمت کے وُہ تازہ سرچشمے منکشف ہوئے جو اس کے آئندہ رُخ کے عین مطابق تھے (یعنی جن کی زندگی کو رہنمائی کے لیے ضرورت تھی۔ مترجم) لہٰذا اسلام کا ظہور جیسا کہ آگے چل کر خاطر خواہ طریق پر ثابت کر دیا جائے گا، استقرائی عقل کا ظہور ہے۔

اسلام میں نبوّت چونکہ اپنے معراجِ کمال کو پہنچ گئی، لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا۔ اسلام نے خوب سمجھ لیا تھا کہ انسان ہمیشہ سہاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس کے شعورِ ذات کی تکمیل ہو گی تو یونہی کہ وُہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے۔ (جیسا کہ

تعلیماتِ قرآنی کا مقصود بھی ہے۔ (مترجم) یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اگر دینی پیشوائی کو تسلیم نہیں کیا یا موروثی بادشاہت کو جائز نہیں رکھا یا بار بار عقل اور تجربے پر زور دیا یا عالمِ فطرت اور عالمِ تاریخ کو علمِ انسانی کا سرچشمہ ٹھہرایا تو اس لیے کہ اِن سب کے اندر یہی نکتہ مضمر ہے۔ (کہ انسان اپنے وسائل سے کام لے، اس کے قوائے فکر و عمل بیدار ہوں اور وُہ اپنے اعمال و افعال کا آپ جواب دِہ ٹھہرے۔ مترجم) کیونکہ یہ سب تصورِ خاتمیت ہی کے مختلف پہلو ہیں۔ لیکن یہاں یہ غلط فہمی نہ ہو کہ حیاتِ انسانی اب وارداتِ باطن سے، جو باعتبارِ نوعیت (اِن معنوں میں کہ اس کا تعلق ادراک بالحواس سے نہیں۔ مترجم) انبیاء کے احوال و واردات سے مختلف نہیں، ہمیشہ کے لیئے محروم ہو چکی ہے۔ قرآنِ مجید نے آفاق و اَنفُس[1] دونوں کو علم کا ذریعہ ٹھہرایا ہے اور اس کا ارشاد ہے کہ آیاتِ الٰہیہ کا ظہور محسوسات و مُدرِکات (محسوسات، یعنی ہماری وارداتِ شعور، ہمارے داخلی احوال اور تجربات اور مُدرِکات، یعنی ہمارے وُہ مشاہدات جن کا تعلق عالمِ فطرت کے مطالعہ سے ہے۔ مترجم) میں، خواہ ان کا تعلق خارج کی دُنیا سے ہو یا داخل کی، ہر کہیں ہو رہا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیئے اس کے ہر پہلو کی قدر و قیمت کا کماحقہٗ اندازہ کریں اور دیکھیں کہ اس سے حصولِ علم میں کہاں تک مدد مل سکتی ہے (لہٰذا اس کی تنقید لازم ٹھہری۔ مترجم) حاصلِ کلام یہ کہ تصورِ خاتمیت سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ زندگی میں اب صرف عقل ہی کا عمل دخل ہے، جذبات کے لیئے اس میں کوئی جگہ نہیں۔ یہ بات نہ کبھی ہو سکتی ہے، نہ ہونی چاہیئے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وارداتِ باطن کی کوئی بھی شکل ہو ہمیں بہرحال حق پہنچتا ہے کہ عقل اور فکر سے کام لیتے ہوئے اس پر آزادی کے ساتھ تنقید کریں، اس لیے کہ اگر ہم نے ختمِ نبوت کو مان لیا تو گویا عقیدۃً یہ بھی مان لیا کہ اب کسی شخص کو اس دعوے کا حق نہیں پہنچتا کہ اس کے علم کا تعلق چونکہ کسی مافوق الفطرت سرچشمے

---

[1] حضرت علامہ نے انگریزی میں 'آفاق و اَنفُس' کا مرادف Self and world لکھا ہے۔ ملاحظہ

The Reconstruction of Religious Thought in Islam,

Page 120. By Sir Muhammad Iqbal II Edition 1934.

سے ہے لہٰذا ہمیں اس کی اطاعت لازم آتی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو خاتمیت کا تصور ایک طرح کی نفسیاتی قوت ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ انسان کی باطنی واردات اور احوال کی دُنیا میں بھی علم کے نِتّے نئے راستے کُھل جائیں۔ (اور ہم اُن کا مطالعہ عقل و فکر اور تعلیماتِ نبوت کی روشنی میں کریں۔ مترجم) بعینہٖ جس طرح اسلامی کلمہ (لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ مترجم) کے جزوِ اوّل نے انسان کے اندر یہ نظر پیدا کی کہ عالمِ خارج کے متعلق اپنے محسوسات و مدرکات (بالفاظِ دیگر مظاہرِ فطرت یا قُوائے طبیعیہ۔ مترجم) کا مطالعہ نگاہِ تنقید سے کرے اور قُوائے فطرت کو الُوہیت کا رنگ دینے سے باز رہے۔ (یعنی ان کو دیوی دیوتا تصور نہ کرے۔ مترجم) جیسا کہ قدیم تہذیبوں کا دستور تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ صوفیانہ واردات کو خواہ اُن کی حیثیت کیسی بھی غیر معمولی اور غیر طبعی کیوں نہ ہو ایسا ہی فطری اور طبعی سمجھیں جیسے اپنی دُوسری واردات اور اس لیے ان کا مطالعہ بھی تنقید و تحقیق کی نگاہوں سے کریں۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلّم) کا طرزِ عمل بھی یہی تھا۔[1]

کروڑ لعل عیسن چک نمبر ۹۳ ٹی ڈی میں مرزائیوں کی سرگرمیاں

چک نمبر ۹۳ ٹی ڈی کروڑ لعل عیسن میں مرزائیوں کی سرگرمیاں تشویشناک ہیں۔ امتناعِ قادیانیت آرڈی ننس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے مرزواڑہ میں لاؤڈ سپیکر پر اذانیں دے رہے ہیں اور علاقہ میں مرزائی مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں جس سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہو رہے ہیں۔ قبل اس کے کہ حالات وہاں بھی کوئی سنگین صورت اختیار کر جائیں انتظامیہ فوراً نوٹس لے اور آرڈی ننس پر عمل درآمد کرواتے ہوئے مرزواڑہ سے اذان بند کرائے۔

---

[1] تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، صفحہ ۱۹۰ مترجمہ سید نذیر نیازی۔ شائع کردہ "بزمِ اقبال" لاہور

یقین کیجیے یورپ سے بڑھ کر آج انسان کے اخلاقی ارتقا میں بڑی رکاوٹ اور کوئی نہیں۔ برعکس اس کے مسلمانوں کے نزدیک اِن بنیادی تصورات کی اساس چونکہ وحی و تنزیل پر ہے، جس کا صدور ہی زندگی کی انتہائی گہرائیوں سے ہوتا ہے۔ لہٰذا وُہ اپنی ظاہری خارجیت (بمقابلہ ہماری ذات کے۔ مترجم) کو ایک اندرونی حقیقت میں بدل دیتی ہے۔ (کیونکہ اس سے درحقیقت ہماری فطرت ہی کی ترجمانی ہوتی ہے۔ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ[۱]۔ مترجم) ہمارے لیے تو زندگی کی رُوحانی اساس ایمان و یقین کا معاملہ ہے جس کی خاطر ایک غیر تعلیم یافتہ مسلمان بھی برضا و رغبت اپنی جان دے دے گا۔ پھر اسلام کے اس بنیادی تصور کے پیشِ نظر کہ وحی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہے، لہٰذا اب کوئی ایسی وحی نہیں کہ ہم اُس کے مکلف ٹھہریں۔ ہماری جگہ دُنیا کی اُن قوموں میں ہونی چاہیئے جو روحانی اعتبار سے سب سے زیادہ استخلاص حاصل کر چکی ہیں۔ (ہماری جگہ سب سے زیادہ استخلاص یا نجات یافتہ قوموں میں ہونی چاہیئے۔ یعنی بحالتِ موجودہ۔ لیکن ہم خود سب سے زیادہ "استخلاص یافتہ" قوم ہیں یعنی روحانی اعتبار سے جو آزادی اور حُریت ہمیں حاصل ہے اور کسی قوم کو حاصل نہیں اور یہی فی الحقیقت حضرتِ علامہؒ کا مطلب بھی ہے۔ مترجم) شروع شروع کے مسلمانوں کو جنہوں نے ایشیائے قبل۔ اسلام کی روحانی غلامی سے نجات حاصل کی تھی اسلام کے اس بُنیادی تصور (خاتمیت۔ مترجم) کی ٹھیک ٹھیک حقیقت سمجھنے سے قاصر رہے۔ لیکن ہمیں چاہیئے آج اپنے اس مَوقِف کو سمجھیں (کہ بابِ نبوّت ہر نوع اور ہر جہت سے مسدُود ہے۔ مترجم) اور اپنی حیاتِ اجتماعیہ کی از سرِ نو تشکیل اسلام کے بنیادی اصولوں کی رہنمائی میں کریں، تا آنکہ اس کی وُہ غرض و غایت جو ابھی تک صرف جزوًا ہمارے سامنے آئی ہے، یعنی اُس رُوحانی جمہُوریت کا نشوونما جو اس کا مقصود و منتہا ہے، تکمیل کو پہنچ سکے۔

---

۵ یہ اقتباس بھی تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ سے لیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب مذکور کا ص ۲۷۶

۱ اگر تم جانو تو یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ سورۃ الصف آیت ۱۱

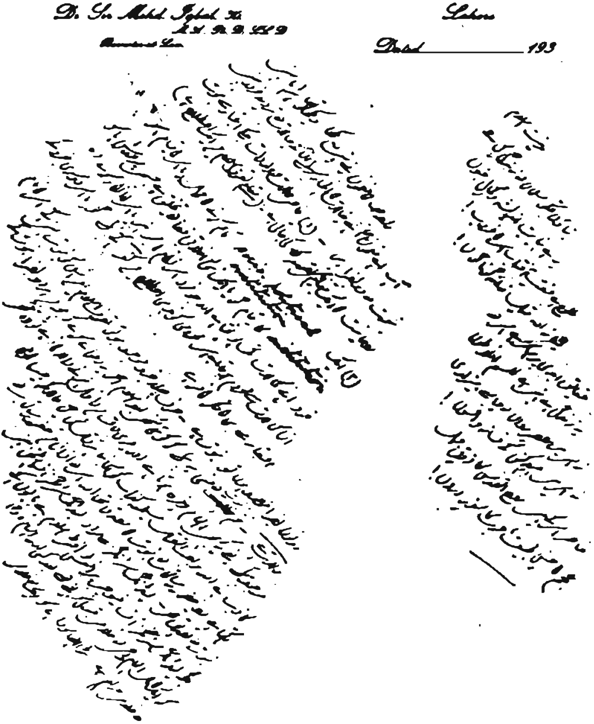

مسئلہ ختم نبوت پر حضرت علامہؒ کی ایک تاریخی تحریر کا عکس (۱)

سے باقی بنی نوع انسانوں سے نجات ہو جائے

اور لطف یہ کہ یہ [illegible] نہ صرف [illegible] نہیں

بلکہ آزادی ہے کیونکہ ختم نبوت سے اسلام دین فطرت بنی

یعنی فطرت صحیحہ اس کو خود بخود قبول کرتی ہے۔ فطرت کا خود

اس خود بخود قبول کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ احکام زندگی کے [illegible]

پیدا ہوتے ہیں اور اسی واسطے دین فطرت ہیں۔ ایسے احکام [illegible] جگہ

ایک مطلق العنان حکومت نے ہم پر عائد کر دیا ہے اور جس پر بعض خوف سے عمل کرنے پر

مجبور ہیں۔ اسلام کو دین فطرت [illegible] [illegible] کا نام تصرف ہے

اور ایک [illegible] کا فرض ہے کہ وہ اس کیفیت کو اپنے اندر پیدا کرے

اس کیفیت کو [illegible] سے تعبیر کیا ہے۔ م

محمد اقبال

چونکہ یہ مسئلہ [illegible] اگر یہ مسئلے [illegible]

[illegible] انگریزی [illegible] شائع کیا جائے گا۔

"ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام اگر یہ دعویٰ کرے۔۔ کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے تو وہ شخص کاذب ہے اور واجب القتل۔ مسیلمہ کذاب کو اسی بنا پر قتل کیا گیا حالانکہ جیسا طبری لکھتا ہے وہ حضور رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کا مصدق تھا اور اس کی اذان میں حضور رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کی تصدیق تھی۔"

علامہ اقبالؒ

۳۰

راجہ صاحب کا مضمون میں نے نہیں دیکھا۔ دیکھا تو تھا پڑھا نہیں۔ آپ اپنے مضمون میں اپنے خیالات کا اظہار کیجئے۔ اُن کے خیالات کی تردید ضروری نہیں۔

نبوّت کے دو اجزاء ہیں:

(۱) خاص حالات و واردات، جن کے اعتبار سے نبوت روحانیت کا ایک مقامِ خاص تصور کی جاتی ہے۔ (مقام تصوف اِسلام میں ایک اصطلاح ہے۔)

(۲) ایک Socio-Political Institution قائم کرنے کا عمل یا

---

۵ نمبر ۳۱ کے ذیل میں دی گئی تحریریں ۱۹۲۵ء میں حضرتِ علامہؒ نے سیّد نذیر نیازی، تب ایڈیٹر طلوعِ اسلام (دہلی) کے نام لکھیں۔ ان کا شانِ نزول خود اُنہی کی زبانی سُنیئے:

"..... (ان) کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ۳۴ء میں انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام، لاہور کے انگریزی ہفت روزہ 'لائٹ' نے بلاوجہ حضرتِ علامہؒ کے انگریزی خطبات بالخصوص پانچویں خُطبے پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی کہ یہ جو حضرت علامہؒ کہتے ہیں کہ بابِ نبوت مسدود ہے یہ دراصل مغرب سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔ حضرتِ علامہؒ نے کہیں 'عقلِ استقرائی' کا ذکر کر دیا تھا۔ مدیر 'لائٹ' اس کا صحیح مفہوم تو سمجھ نہ سکے۔ انہوں نے فرمایا یہ دیکھئے اقبالؒ عقل کو نبوت پر ترجیح دیتا ہے۔ یہ مغرب زدگی نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ مضمون شائع ہوا تو راجہ حسن اختر صاحب نے انگریزی زبان ہی میں مدیر 'لائٹ' کے نام ایک خط لکھا۔ جس میں اُن کے غلط خیال کی تردید بڑے معقول طریقے سے کی گئی تھی۔ اتفاق سے لاہور میں راجہ صاحب سے 'لائٹ' کے اس مضمون کا ذکر آ گیا۔ میں نے عرض کیا یہ پرچہ چونکہ ایک انجمن کا ہے۔ جس کی ایک مخصوص دعوت ہے لہٰذا مجھے اس کا ترجمہ اُردو میں شائع کر دینا چاہیئے۔ حضرتِ علامہؒ نے بھی اس خیال سے اتفاق فرمایا۔ پھر جب ضمناً بعض دوسرے مسائل کی وضاحت ضروری نظر آئی اور میں نے حضرت علامہ سے اس بارے میں مشورہ کیا تو انہوں نے ازراہِ عنایت (یہ) دو تحریریں مرحمت فرمائیں۔" (مکتوباتِ اقبالؒ، ص۳۰، مرتبہ سیّد نذیر نیازی) یہ طویل اقتباس صرف اس لیئے درج کیا گیا ہے تاکہ آپ ان تحریروں کے پس منظر سے پوری طرح آگاہ ہو سکیں۔

اس کا قیام۔ اس Institution کا قیام گو ایک نئی اخلاقی فضا کی تخلیق ہے۔ جس میں پرورش پا کر فرد اپنے کمالات تک پہنچتا ہے۔ اور جو فرد اس نظام کا ممبر نہ ہو یا اس کا انکار کرے وُہ ان کمالات سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس محرومی کو مذہبی اصطلاح میں کُفر کہتے ہیں۔ گویا اس دُوسری جُزو کے اعتبار سے نبی کا مُنکر کافر ہے۔

دونوں اجزاء موجود ہوں تو نبوت ہے۔ صرف پہلا جُزو موجود ہو تو تصوفِ اسلام میں اس کو نبوت نہیں کہتے۔ اس کا نام ولایت ہے۔

ختمِ نبوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام اگر یہ دعویٰ کرے کہ مجھ میں ہر دو اجزاء نبوت کے موجود ہیں یعنی یہ کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے تو وہ شخص کاذب ہے اور واجب القتل۔ مُسیلمہ کذّاب کو اسی بنا پر قتل کیا گیا حالانکہ طبری[1] لکھتا ہے وُہ رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کا مصدق تھا۔ اور اس کی اذان میں حضور رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کی تصدیق تھی[2]۔

لیڈنگ سٹرنگز Leading Strings سے مراد لیڈنگ سٹرنگز آف ریلیجن نہیں بلکہ

---

٥ خط کشیدہ الفاظ میں دی گئی یہ عبارت وہی ہے جسے بشیر احمد صاحب ڈار نے اپنی کتاب انوارِ اقبال میں حذف کر دیا ہے۔ جبکہ علامہ مرحوم کی تحریر کے عکسی متن میں یہ موجود ہے اور صاف پڑھی جاتی ہے۔

[1] ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، تیسری صدی ہجری کے مایہ ناز مُسلمان مؤرخ، محدث اور مفسر۔

[2] علامہ طبری کے الفاظ یہ ہیں: "كَانَ يُؤَذِّنُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَشْهَدُ فِي الْأَذَانِ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللهِ وَكَانَ الَّذِي يُؤَذِّنُ لَهُ عَبْدُ اللهِ ابْنُ النَّوَاحَةِ وَكَانَ الَّذِي يُقِيمُ لَهُ حُجَيْرُ ابْنُ عُمَيْرٍ وَيَشْهَدُ لَهُ وَكَانَ مُسَيْلِمَةَ إِذَا دَنَا حُجَيْرٌ مِنَ الشَّهَادَةِ قَالَ صَرِّحْ حُجَيْرُ فَيَزِيدُ فِي صَوْتِهِ وَيُبَالِغُ التَّصْدِيقَ نَفْسَهُ" (تاریخ طبری، ج ۳ صفحہ ۲۴۴) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اذان دیتا تھا کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ (مسیلمہ کے لیے) اذان عبداللہ بن النواحہ دیتا اور اقامت حجیر بن عمیر کہتا اور جب حجیر شہادت کے قریب پہنچتا تو مسیلمہ کہتا اے حجیر خوب زور سے کہو (یعنی شہادت کو بلند آواز سے کہو تاکہ لوگوں کو اچھی طرح سنائی دے۔ پس حجیر آواز کو بلند کرتا۔ اس طرح مسیلمہ اپنی تصدیق میں مبالغہ کرتا۔

[3] یہ اشارہ ہے حضرتِ علامہ کے پانچویں لیکچر کے اس جملہ کی طرف جس میں کہا گیا ہے کہ انسان ہمیشہ سہاروں پر

لیڈنگ سٹرنگز آف فیوچر یہ اِنلٹس آف اسلام ہے۔ یا یوں کہیئے کہ ایک کامل الہام و وحی کی غلامی قبول کر لینے کے بعد کسی اور الہام اور وحی کی غلامی حرام ہے۔ بڑا اچھا سودا ہے کہ ایک کی غلامی سے باقی سب غلامیوں سے نجات ہو جائے اور لطف یہ کہ نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی غلامی، غلامی نہیں بلکہ آزادی ہے۔ کیونکہ اُس کی نبوت کے احکام دینِ فطرت ہیں۔ یعنی فطرتِ صحیحہ ان کو خود بخود قبول کرتی ہے۔ فطرتِ صحیحہ کا انہیں خود بخود قبول کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ احکام زندگی کی گہرائیوں سے پیدا ہوتے ہیں: اس واسطے عین دینِ فطرت ہیں[1] ایسے احکام نہیں جن کو ایک مطلق العنان حکومت نے ہم پر عائد کر دیا ہے اور جن پر ہم محض خوف سے عمل کرنے پر مجبور ہیں۔ اسلام کو دینِ فطرت کے طور پر Realise[2] کرنے کا نام تصوف ہے۔ اور ایک اخلاص مند مسلمان کا فرض یہ ہے کہ وُہ اس کیفیت کو اپنے اندر پیدا کرے۔ اُس کیفیت کو میں نے لفظ Emancipation[3] سے تعبیر کیا ہے۔

محمد اقبال

زندگی بسر نہیں کرسکتا 'Life can not for ever be kept in leading strings.'

('The Reconstruction of Religious Thought in Islam' Page 120.

By Sir Muhammad Iqbal)

[1] ثابت

[2] نجات

[3] 'انوارِ اقبال' ص۱۸۲ مرتبہ بشیر احمد ڈار شائع کردہ' اقبال اکادمی' کراچی

۴

(۱) عقل اور وحی کا مقابلہ یہ فرض کرکے کہ دونوں علُوم کے مَاخذ ہیں درست نہیں ہے۔ علُوم کے کے مَاخذ انسان کے حواسِ اندرونی و بیرونی ہیں۔ عقل اِن حواسِ ظاہری و معنوی کے انکشافات کی تنقید کرتی ہے اور یہی تنقید اس کا حقیقی Function[1] ہے اور بس۔ مثلاً آفتاب مشرق سے طلوع کرتا ہے اور مغرب کی طرف حرکت کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ حواسِ ظاہری کا انکشاف ہے۔ عقل کی تنقید کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حواس کا انکشاف درست نہ تھا۔

(۲) وحی کا Function[1] حقائق کا انکشاف ہے یا یوں کہیئے کہ وحی تھوڑے وقت میں ایسے حقائق کا انکشاف کر دیتی ہے جن کو مشاہدہ برسوں میں بھی نہیں کر سکتا۔ گویا وحی حصولِ علم میں جو Time[2] کا عُنصر ہے اس کو خارج کرنے کی ایک ترکیب ہے۔ انسان کی ترقی کے ابتدائی مَراحل میں اس ذریعۂ علم کی بے انتہا ضرورت تھی کیونکہ ان مَراحل میں انسان کو اُن مقامات کے لیئے تیار کیا جا رہا تھا جن پر پہنچ کر وُہ قوائے عقلیہ کی تنقید سے خود اپنی محنت سے علم حاصل کرے۔ مُحمّدِ عَرَبیؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش انسانی ارتقار کے اُس مرحلے پر ہوئی جبکہ انسان کو استقرائی علم سے رُوشناس کرانا مقصود تھا۔ میرے عقیدہ کی رُو سے بعد وحیِ محمّدی کے الہام کی حیثیت محض ثانوی ہے۔ سلسلہ تو الہام کا جاری ہے مگر الہام بعد وحیِ محمّدی حجت نہیں سوائے اس کے کہ اس شخص کے لیئے جس کو الہام ہوا ہو۔ بالفاظِ دیگر بعد وحیِ محمّدی الہام ایک پرائیویٹ Fact[3] ہے۔ اس کا کوئی سوشل[4] مفہوم یا وقعت نہیں ہے۔

میں نے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ نبوّت کی دُوسری حیثیت ایک -Socio

---

[1] منشا، غرض و غایت

[2] وقت

[3] کسی ایک ذات سے تعلق رکھنے والی حقیقت۔

[4] معاشرتی و سماجی

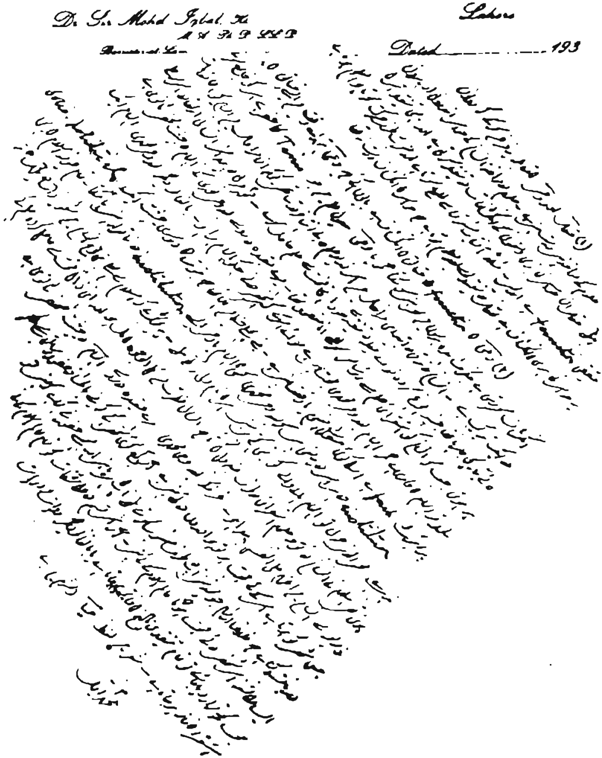

Dr. Sir Mohd Iqbal Kt.
M.A. Ph.D. LL.D.
Barrister-at-Law

Lahore

Dated ________ 193

مسئلہ ختمِ نبوت پر حضرتِ علامہؒ کی ایک تاریخی تحریر کا عکس (۲)

Political Institution[1] کی ہے۔ اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ بعدِ وحی محمدی کسی کا الہام یا وحی ایسے Institution[2] کی بنا قرار نہیں پا سکتا۔ تمام صوفیہ اسلام کا یہی مذہب ہے۔ محی الدین عربی[3] تو الہام پانے والے کو نبی کہتے ہی نہیں، اس کا نام ولی رکھتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ اسلام سے پہلے بنی نوعِ انسان میں شعورِ ذات کی تکمیل نہ ہوئی تھی۔ اسلام نے انسان کی توجہ علومِ استقرائی کی طرف مبذول کی تا کہ انسانی فطرت فی کل الوجود کامل ہو اور اپنی ذاتی محنت سے حاصل کردہ علم کے ذریعہ سے انسان میں اعتماد علی النفس پیدا ہو۔ غرضیکہ بعد وحی محمدی میرے عقیدہ کی رُو سے الہام کی حیثیت محض ثانوی ہے جس شخص کو ہوتا ہے اس کے لیے حجت ہو تو ہو، اوروں کے لیے نہیں ہے۔ اگر آج کوئی شخص کہے کہ میں نے بالمشافہ حضور رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مل کر دریافت کیا ہے کہ فلاں ارشاد جو محدثین آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں، آپ کا ہے یا نہیں؟ اور مجھے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا ہے کہ نہیں، تو ایسا مکاشفہ اُس شخص کے لیے حجت ہو گا، تمام عالمِ اسلام کے لیے نہیں۔ اگر اس قسم کے مکاشفات کو تمام عالمِ اسلام کے لیے حجت قرار دیا جائے تو عام تنقیدی تاریخ کا خاتمہ ہو جاتا ہے یا بالفاظِ دیگر روایت و درایتِ استقرائی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

محمد اقبال[4]

---

1 سماجی و سیاسی مکتبِ فکر

2 مکتبِ فکر

3 شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ اسلامی اُندلس کے ایک مشہور صوفی بزرگ جو چھٹی صدی ہجری میں پیدا ہوئے۔

4 "انوارِ اقبال" ۱۹۶۷ء مرتبہ بشیر احمد ڈار

۵ ؎

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد

بر رسولِ ما رسالت ختم کرد

رونق از ما محفلِ ایام را

او رُسل را ختم و ما اقوام را

خدمتِ ساقی گری با ما گذاشت

داد ما را آخریں جامے کہ داشت

لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ ز احسانِ خدا است

پردۂ ناموسِ دینِ مُصطفٰےؐ است

قوم را سرمایۂ قوّت ازو

حفظِ سرِ وحدتِ ملّت ازو

حق تعالیٰ نقشِ ہر دعویٰ شکست

تا اَبد اسلام را شیرازہ بست

دل ز غیر اللہ مُسلماں برکَنَد

نعرۂ لَا قَوْمَ بَعْدِیْ می زَنَد

؎ یہ نظم حضرتِ علامہ کی مشہور مثنوی "رمُوزِ بے خودی" سے لی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو مجموعۂ اسرار و رمُوز، ص۱۱۸

ترجمہ٥:

(۱) خدا تعالیٰ نے ہم پر شریعت اور ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رسالت ختم کر دی۔

(۲) ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سلسلۂ انبیاء اور ہم پر سلسلۂ اقوام تمام ہو چکا، اب بزمِ جہاں کی رونق ہم سے ہے۔

(۳) میخانۂ شرائع کا آخری جام ہمیں عطا فرمایا گیا، قیامت تک ساقی گری کی خدمت اب ہم ہی انجام دیں گے۔

(۴) رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ فرمان کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں احساناتِ خداوندی میں سے ایک بڑا احسان ہے۔ دینِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عزت و ناموس کا محافظ بھی یہی ہے۔

(۵) مسلمانوں کا اصل سرمایۂ قوت یہ عقیدۂ ختمِ نبوت ہے اور اسی میں وحدتِ ملت کے تحفظ کا راز پوشیدہ ہے۔

(۶) اللہ عزوجل نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد ہر دعویٰ نبوت کو باطل ٹھہرا کر اسلام کا شیرازہ ہمیشہ کے لیے مجتمع کر دیا ہے۔

(۷) اسی عقیدہ کے باعث مسلمان ایک اللہ کے سوا سب سے تعلق توڑ لیتا اور 'اُمتِ مسلمہ کے بعد کوئی اُمت نہیں' کا نعرہ بلند کرتا ہے۔

(باقی آئندہ)

قمر الحسنین

دُعا

پیچاں مرے وطن کی ہوا اسلام دین سے
اس قوم کو نواز دے قلبِ متین سے
ہم کو ملے نجات بھی جدّت سے "جین" سے
شیطاں شمر شنیعہ و شیعہ کی سشین سے

[redacted]

٥ ترجمہ از مرتب